اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (البلد:4)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ہر حال آزمائش کا حال ہے:

دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء ہے۔ دنیا دارالفنا ہے اور آخرت دارالبقاء ہے۔ دنیا دارالغرور ہے اور آخرت دارالسّرور ہے۔ ہم سب کے سب یہاں مسافر ہیں۔ ہم خوشی کے عالم میں ہوں یا غمی کے عالم میں، صحت مند ہوں یا بیمار، مشغول ہوں یا فارغ، ہمیں احساس ہو یا نہ ہو، ہمارا سفر ہر حال میں جاری وساری ہے۔ ہم اپنی منزل کی طرف ہر وقت رواں دواں ہیں۔ ہر دن ہمیں منزل کے قریب سے قریب تر کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ دنیا امتحان گاہ بھی ہے لہٰذا یہاں ہر انسان آزمایا جا رہا ہے۔ پروردگارِ عالم کسی کو کُھلا رزق دے کر آزماتے ہیں اور کسی کا رزق تنگ کر کے آزماتے ہیں۔ کسی کو عزت دے کر آزماتے ہیں اور کسی کو ذلت دے کر آزماتے ہیں۔ کوئی صحت کی کیفیت میں آزمائش میں ہے اور کوئی بیماری کی حالت میں آزمائش میں ہے۔ کامیاب انسان وہ ہے جو ہر حال میں اللہ رب العزت کے حکموں کو مدِ نظر رکھے اور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مبارک سنتوں پر عمل کرے۔

حقیقی معنوں میں بے وقوف انسان:

اس دنیا میں اللہ رب العزت نے ایسے جال اور پھندے بنوا دیئے ہیں کہ انسان ان میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ بڑے بڑے عقلمندوں کو دھوکے لگتے ہیں۔ کہنے کو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں مگر ان کو نماز کی فرصت نہیں ہوتی۔ کہنے کو بڑے ذہین ہوتے ہیں لیکن اللہ کے گھر کا دروازہ کبھی دیکھا ہی نہیں ہوتا۔ ایسا

عقلمند حقیقت میں بے وقوف انسان ہوتا ہے۔اس لئے اللہ رب العزت نے کافروں کے بارے میں کہا،

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ (الحشر:14) یہ لوگ وہ قوم ہیں جنہیں عقل ہی نہیں۔

ان کو حقیقت سمجھ میں ہی نہیں آتی کہ اصل بات کیا ہے۔انسان وقتی لذتوں اور واہ واہ کے پیچھے ایسا الجھ جاتا ہے کہ مقصود حقیقی سے نظر ہٹ جاتی ہے۔

جاہی اور باہی گناہ:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) جاہ سے تعلّق رکھنے والے گناہ

(۲) باہ سے تعلّق رکھنے والے گناہ

جاہ سے مراد وہ گناہ جو مقام اور مرتبہ سے تعلّق رکھتے ہیں۔مثلاً مجھے بڑا عالم سمجھا جائے.....جو صفات مجھ میں ہیں وہ کسی اور میں نہیں.....اعرفونی (مجھے پہچانو) ..''ہم چوں ما دیگرے نیست''یعنی ہم جیسا اور کوئی نہیں۔حقیقت میں وہ کہتے ہیں''ہم چوں ما ڈنگرے نیست''یعنی جیسے ڈنگر ہم ہیں ایسا کوئی اور ہے ہی نہیں۔

دوسرے گناہ باہ یعنی شہوت سے تعلّق رکھتے ہیں۔ان دونوں میں سے جو گناہ جاہ سے تعلّق رکھتے ہیں وہ زیادہ نقصان دہ ہیں کیونکہ عمومی طور پر جو انسان باہ کے گناہوں میں ملوث ہوتا ہے اس کے دل میں ندامت ہوتی ہے۔وہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہا ہوتا ہے۔لہٰذا اس کی ندامت کسی بھی وقت معافی کا سبب بن سکتی ہے لیکن جاہ کے گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو راہ راست پر سمجھ

رہا ہوتا ہے۔عجب،خود پسندی اور تکبّر جاہی گناہ ہیں۔ایسے گناہوں کا انسان کے اندر سے نکلنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔خود پسندی اور تکبّر تو اتنے خطرناک گناہ ہیں کہ اللہ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِی قَلْبِہٖ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ مِنْ کِبْرٍ جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبّر ہوگا۔

ذرہ انگریزی میں ایٹم کو کہتے ہیں۔اس لئے یہ عاجز کہتا ہے کہ تکبّر ایک ایٹمی گناہ ہے۔کیونکہ جس طرح ایٹمی ہتھیار تباہی پھیلاتے ہیں اسی طرح تکبّر بھی زندگی میں تباہی پھیلا دیتا ہے۔یہ بڑی دیر کے بعد نکلتا ہے۔

حدیث پاک میں ہلاک کردینے والے کاموں میں ایک بات یہ بھی بتائی گئی ہے: وَ اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ ''بندے کا اپنے اوپر عجب کرنا'' یادرکھئے کہ نیکی کے ساتھ خود پسندی،عجب اور تکبّر بھی چلتا رہتا ہے۔آدمی ایک طرف پرہیزگاری کی زندگی بھی گزارتا ہے مگر دوسری طرف اپنے جیسا کسی کو نہیں سمجھتا۔ایک بات یادرکھئے کہ لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو گرانا بہت آسان ہے مگر اپنی نظر میں اپنے آپ کو گرانا بہت مشکل کام ہے۔انسان اللہ کا دوست اس وقت بنتا ہے جب اپنے آپ کو اپنی نظر میں گراتا ہے۔اسی لئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا اے اللہ!مجھے میری نظر میں چھوٹا بنادے۔

آج کل جسے چند سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق حاصل ہوجاتی ہے وہ اپنی نیکیوں پر فریفتہ ہوا پھرتا ہے۔اس اجتماع کا مقصد اس خود پسندی کے بت کو توڑنا اور اپنے آپ کو مٹانا ہے۔نفس کو مارنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کوئی زندہ چیز ہے جس کا گلا گھونٹ دیا جائے گا بلکہ نفس کو مارنے کا مطلب اپنے اندر کی

خواہشات کو قابو میں لے آنا ہے۔

آخرت کو دنیا پر مقدم رکھنے کا حکم

دنیا فانی ہے اور اس کی حیثیت کھیل تماشے سے زیادہ نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ (العنکبوت:64) اور یہ دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل تماشا۔

اس لئے چاہیے کہ انسان کے دل میں دنیا کی محبّت ٹھنڈی ہو جائے اور اس کے اندر اللہ رب العزت کی محبّت آجائے۔ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا اللہ رب العزت کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ پیغام پہلی کتابوں میں بھی دیا گیا اور آخری کتاب میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس بات کو کھول کر بیان کر دیا ہے:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (الاعلیٰ:16-17) تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت اس سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

یہ ایسا پیغام ہے جو انسانیت کو شروع سے لے کر آج تک مل رہا ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے

اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ○ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ○ (الاعلیٰ:18-19)

بے شک یہی کچھ پہلے صحیفوں میں بھی تھا، ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

ہمیں ان آیات میں آخرت کو دنیا پر مقدم رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اگر دنیا فنا ہونے والا سونا ہوتا اور آخرت باقی رہنے والی ٹھیکری ہوتی تو پھر بھی عقل کا تقاضا یہ تھا کہ ہم آخرت کو دنیا پر مقدم کرتے۔ جب کہ معاملہ الٹ ہے۔ دنیا فنا ہونے والی ٹھیکری کی مانند ہے اور آخرت باقی رہنے والے سونے کی مانند ہے، ہم اس آخرت کو بھول جاتے ہیں اور دنیا کی چاہتوں کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ دنیا

سے کنارہ کشی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان دین کو دنیا پر ترجیح دے۔ جس شخص نے دین کو دنیا پر ترجیح دینا شروع کر دی اس نے گویا دنیا سے کنارہ کشی شروع کر دی۔ دنیا میں اتنے پھندے ہیں کہ ہلاک ہونے والوں پر تعجّب نہیں ہوتا بلکہ تعجّب ان پر ہوتا ہے جو ان پھندوں سے ایمان سلامت لے کر چلے جاتے ہیں کہ وہ کتنے عظیم لوگ ہیں.....ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ تعجّب ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بغیر محنت دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور ہم یہاں دنیا سمیٹنے کے لئے محنت کرتے ہیں جب کہ آخرت کو محنت کے ساتھ مشروط کیا ہے اور ہم اس کے لئے ہرگز محنت نہیں کرتے ..... یاد رکھئے کہ اس دنیا میں سب طمع کے یار ہیں۔ اصل یار اللہ رب العزت ہے یا پھر اللہ کے پیارے محبوب ﷺ ہیں یا پھر وہ اولیاء جو ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر ایک کو طمع ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ تعلّق رکھتا ہے۔ رہ گئی بات رشتہ داری اور برادری کی، ان کو تو اگر اپنے گوشت کا قیمہ بنا کر بھی کھلا دو تو پھر بھی وہ خوش نہیں ہوں گے۔

دنیا کی حقیقت:

حقیقتِ دنیا دیکھئے کہ انسان کا بہترین لباس ریشم کا لباس ہے جو ایک کیڑے کی تھوک ہے اور انسان کا بہترین مشروب شہد ہے اور یہ ایک مکھی کا لعاب ہوتا ہے۔ کیڑے کی تھوک ریشم بنا اور مکھی کا لعاب شہد بنا۔ یہ ریشم اور شہد دنیا کا بہترین لباس اور بہترین مشروب ہے۔ یہ حقیقت ہے دنیا کی کہ جس کے پیچھے لگ کر انسان اپنے مالک کو ناراض کر لیتا ہے۔ یہ کتنا بڑا نقصان ہے۔

وہ مزہ شاہی میں نہیں:

جو انسان رب کریم کو راضی کر لیتا ہے پھر اللہ رب العزت اسے دنیا میں بھی عزت دیتے ہیں اور آخرت میں بھی عزتیں دی جاتی ہیں۔ اس دین کی لائن سے وہ عزتیں ملتی ہیں جو دنیا کے پیچھے بھاگنے والوں

کونہیں ملتیں.....دین اسلام میں عجیب لذت ہے .....ایسا تو ہوا کہ وقت کے بادشاہ نے شاہی چھوڑ دی اوراس نے فقیری اختیار کر لی لیکن آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی باخدا فقیر نے فقیری چھوڑ کر شاہی اختیار کر لی ہو۔ سچی بات یہ ہے کہ جو مزہ فقیری میں ہے وہ مزہ شاہی میں نہیں ہے۔

اللہ والوں کے خادم:

دنیا کے بادشاہوں کے خادم عام لوگ ہوتے ہیں اور اللہ والوں کے خادم وقت کے بادشاہ ہوا کرتے ہیں.....

☆.....ہمیں سمرقند میں امیر تیمور کا مقبرہ دیکھنے کا موقع ملا۔اس کے مقبرے کے دروازے پر ''امیرِ عالم'' کا خطاب لکھا ہوا ہے۔اسے اپنے وقت کا فاتحِ دنیا کہا جاتا تھا۔ہم نے دیکھا کہ جہاں اس کی قبر تھی اس کے بالکل اوپر ایک اور قبر تھی۔ہم نے حیران ہوکر پوچھا کہ فاتح دنیا کی قبر کے اوپر کس کی قبر ہے؟ لوگ کہنے لگے کہ یہ اس کے شیخ کی قبر ہے۔اس نے وصیت کی تھی کہ جب میں مروں تو مجھے اس طرح دفن کرنا کہ میرا سر میرے شیخ کے قدموں کے بالکل قریب ہو۔

☆.....حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف میں آرام فرما رہے ہیں۔ان کے مقبرے پر جانے کے لئے ایک کشادہ سڑک پر جاتے ہیں۔مگر راستے میں ایک قبر کی وجہ سے اس سڑک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پھر ایک کر دیا گیا ہے۔اس عاجز نے وہاں کے سجادہ نشین سے پوچھا کہ اتنی اچھی سڑک جارہی تھی اور اس قبر کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔کیا سڑک بعد میں بنی یا قبر؟ وہ کہنے لگے کہ قبر بعد میں بنی۔میں نے کہا کہ اتنی اچھی سڑک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کہنے لگے، جی بات یہ ہے کہ اس قبر میں مدفون شخص افغانستان کا بادشاہ تھا۔وہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کا مرید تھا۔اس نے وصیت کی تھی کہ جب میں مروں تو مجھے اپنے شیخ کی قبر کے راستے میں دفن کرنا.....اللہ اکبر

اللہ والوں کی حکومت:

یاد رکھئے کہ بادشاہوں کی عزت وقتی ہوتی ہے جب کہ اللہ والوں کی عزت دائمی ہوتی ہے ۔ اور بادشاہوں کی حکومت لوگوں کے جسموں پر ہوتی ہے جب کہ اللہ والوں کی حکومت لوگوں کے دلوں پر ہوتی ہے .....ایک انگریز اجمیر شریف آیا ۔جب وہ واپس گیا تو اس نے لوگوں کو اپنے Comments (تاثرات) بتائے ۔ وہ کہنے لگا کہ میں نے زندہ لوگوں کوتو حکومت کرتے بہت دیکھا ہے، میں ایک ایسے ملک میں گیا ہوں جہاں قبر میں پڑا ہوا ایک شخص لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔

صبر جمیل اور ہجرِ جمیل:

دو باتوں کی وجہ سے انسان دنیا کے معاملات کو بہت جلدی سمیٹ لیتا ہے۔

(۱) صبر جمیل (۲) ہجر جمیل

صبر جمیل اسے کہتے ہیں کہ کوئی بھی ناگوار کام ہوتو انسان صبر کرے اور شکوہ ہرگز نہ کرے۔ چنانچہ علماء نے بھی صبر کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ

الصبر التی لاشکوٰی فیه صبر وہ ہوتا ہے جس کے اندر شکوہ نہ ہو۔

اگر کسی نے دکھ بھی دیا ہوتو انسان اس سے شکوہ ہی نہ کرے۔ مؤمن دنیا کی خاطر نہیں الجھتا۔ نہ تو وہ مقابلہ بازی کرتا ہے اور نہ ہی ضِد بازی کر کے جھگڑا بڑھاتا ہے۔ اسے اگر کوئی تکلیف پہنچتی بھی ہے تو وہ ''صبر جمیل'' کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اگر کوئی بہت ہی زیادہ ایسا معاملہ ہوتو ''ہجرِ جمیل'' پر عمل کرتا ہے۔ ہجر جمیل کا مطلب یہ ہے کہ پھر وہ اس

سے اچھے انداز میں جدائی اختیار کر لیتا ہے۔ آج تو تعلّق بھی ہوتا ہے اور عداوت بھی چلتی ہے۔ دشمن کے رنگ میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کر رہے ہوتے ہیں..... کچھ پتہ نہیں چلتا کہ دوست کون ہے اور دشمن کون ہے..... اس دنیا میں انسان کو مختلف قسم کے امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ خوشی بھی امتحان ہے اور غم بھی امتحان ہے مگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اگر میرے بندے کو خوشی ملے تو یہ میری بارگاہ میں شکر ادا کرے اور اگر اس کو کوئی غم ملے تو یہ اس پر صبر کر کے میرے نیک بندوں میں شامل ہو جائے۔ شکر کرنے والا بھی جنتی اور صبر کرنے والا بھی جنتی۔

حق و باطل کی جنگ:

یہ دنیا اضداد کا مجموعہ ہے۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ

وَ بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنَ الْاَشْيَاءَ اور ضد سے چیزیں واضح ہوتی ہیں۔

مثلاً.....

.....اگر رات نہ ہوتی تو دن کی قدر نہ آتی،

.....اگر اندھیرا نہ ہوتا تو روشنی کی قدر نہ آتی،

.....اگر دھوپ نہ ہوتی تو سائے کی قدر نہ آتی،

.....اگر بیماری نہ ہوتی تو صحت کی قدر نہ آتی،

.....اگر موت نہ ہوتی تو زندگی کی قدر نہ آتی،

اسی طرح حق اور باطل بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کو حق کی طرف بلاتے ہیں اور شیطان انسان کو باطل کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کس کی مان کر زندگی

گزارتا ہے۔ آیا نفسانی اور شیطانی خواہشات کے پیچھے لگ کر زندگی گزارتا ہے یا ان خواہشات کو دبا کر اپنے مالک کی فرمانبرداری میں زندگی گزارتا ہے۔ حق و باطل کی یہ جنگ مخفی طور پر موت تک چلتی رہتی ہے البتہ قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ حق و باطل کی کھلی نشانیاں بھی دکھائیں گے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ D کا تشریف لانا اور دجال کا ظاہر ہونا بھی حق و باطل کا ایک واضح مقابلہ ہوگا۔ اگر آپ غور کریں تو آپ کو اس میں بڑی مناسبتیں ملیں گی۔ مثال کے طور پر....

☆.....اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صورت انسانی بنائی اور فطرت ملکوتی بنائی اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے دجال کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت انسانی بنائی اور فطرت شیطانی بنائی۔

☆.....اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو مسیح ہدایت کا لقب عطا کیا اور دجال کو مسیحِ ضلالت کا لقب دیا۔ گویا ایک طرف مسیح ہدایت ہیں اور دوسری طرف مسیح ضلالت ہے۔

☆.....اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو آسمانوں میں رکھا۔ قرب قیامت میں ان کو بیت المقدس مسجد کے مینار کے اوپر نازل فرمائیں گے.....حدیث پاک میں ان کے لئے یَـنـزِلُ کا لفظ آیا ہے یعنی نازل ہوں گے.....اور اللہ تعالیٰ نے دجال کو پیدا کیا اور ایک جزیرے کے اندر محبوس فرما دیا .....حدیث پاک میں اس کے لئے یَخرُجُ اور یَظْھر کا لفظ آیا ہے۔ یعنی وہ ظاہر ہوگا۔

☆.....جب عیسیٰؑ آسمان سے نیچے اتریں گے تو اس وقت ان کی کہولت (ادھیڑ پن) کی عمر ہوگی اور جب دجال ظاہر ہوگا تو اس کی بھی کہولت (ادھیڑ پن) کی عمر ہوگی۔

☆.....حضرت عیسیٰؑ جب پیدا ہوئے تو انہوں نے پیدا ہوتے ہی عبدیت کا دعویٰ کیا۔ قرآن عظیم الشان

گواہ ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ (مریم:30) (بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں)''اور جب دجال ظاہر ہوگا تو وہ اپنی الوہیت کا دعویٰ کرے گا۔

☆......حضرت عیسیٰؑ کے دور میں مال میں اتنی برکت ہوگی کہ کوئی بندہ بھی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملے گا اور جب دجال آئے گا تو اس کے ساتھ مال کی اتنی بہتات ہوگی کہ دنیا کے خزانے اس کے ساتھ چلیں گے۔

☆......اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰؑ کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ کے اذن سے دجال بھی استدراج کے طور پر مردوں کو تھوڑی دیر کے لئے زندہ کر سکے گا۔

☆......حضرت عیسیٰؑ کا پیغام پوری دنیا میں پہنچے گا۔ چنانچہ قرآن پاک میں بتا دیا گیا ہے کہ ان کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک سب لوگ راہ راست پر نہیں آجائیں گے۔دجال کا فتنہ بھی مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب میں پھیلے گا..... بالآخر حق و باطل کی اس جنگ میں حضرت عیسیٰؑ کو فتح نصیب ہوگی اور وہ دجال کو مقام لُد پر لے جا کر قتل فرمائیں گے۔

مخفی طور پر یہ جنگ ہماری زندگی میں بھی ہو رہی ہے۔ ہر انسان کے دل پر اللہ رب العزت نے فرشتے کو متعیّن کیا ہوا ہے جو اس میں خیر کا جذبہ ڈالتا ہے۔اور ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ شیطان بنی آدم کے دل کے اوپر ڈیرے ڈال کر بیٹھا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ بندے کو خیر کی طرف بلا رہے ہوتے ہیں جب کہ شیطان اس کو شر کی طرف بلا رہا ہوتا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے اوپر خیر غالب آتی ہے یا شر۔ انسان اللہ والوں کی محفلوں میں بیٹھے تو اس کے اندر سے شر نکل جاتا ہے اور خیر آجاتی ہے۔اس طرح دل سے دنیا کی محبّت نکل جاتی ہے اور اس کی جگہ اللہ رب العزت کی محبّت دل میں آجاتی ہے۔

نبیؐ کی مسکنت پسندی:

یاد رکھیں کہ ہم سب نے مرنے کے بعد مٹی میں جانا ہے اس لئے بہتر ہے کہ ہم زندگی میں ہی مٹی سے مانوس ہو جائیں اور اپنے نفس کو خود ہی مٹا دیں۔ جو اپنے آپ کو مٹی جیسا بنائے اس کو مسکین کہتے ہیں اور یہ مسکین لوگ اللہ رب العزت کو زیادہ پسند ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے فقرائے مہاجرین کی زندگی مسکنت کی زندگی تھی۔ ان کے پاس دنیا کا مال پیسہ بہت تھوڑا تھا۔ انکے جسم پر لباس بھی پھٹا ہوا ہوتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی محفل میں حاضر ہوتے تو ایک دوسرے کے پیچھے چھپ کر بیٹھتے تھے تاکہ کپڑے کی پھٹی ہوئی جگہ سے ہمارے جسم کا جو حصہ ظاہر ہے اس پر کہیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نہ پڑ جائے۔ لیکن انہی فقرائے مہاجرین کا اللہ رب العزت کے ہاں اتنا مرتبہ تھا کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بعض موقعوں پر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے ان فقرائے مہاجرین کا تذکرہ کیا کہ اے اللہ! ان کی برکت سے ان دعاؤں کو قبول فرما لے۔ خود نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک عجیب دعا مانگی۔ فرمایا،

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ اے اللہ مجھے مسکینوں میں زندہ رکھنا، اور مسکینوں میں موت دینا اور میرا حشر مسکینوں میں کرنا۔

سبحان اللہ، نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دعا مانگتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ صِدِّیْقًا

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ صَالِحًا

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ عَابِدًا

کیونکہ اگر ان الفاظ سے دعا مانگتے تو صدیق ، عالم اور عابد کہنے سے دعویٰ کا اظہار ہوتا، اس لئے محبوب ﷺ نے اپنے لئے مسکین کا لفظ پسند فرمایا۔سبحان اللہ

فقراء کی امتیازی شان:

ایک مرتبہ فقراء کی محفل میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ اے فقراء! اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں تین چیزیں ایسی عطا کریں گے جو اغنیاء کو بھی حاصل نہیں ہوں گی۔

(۱).....میری امت کے فقراء قیامت کے دن میری امت کے امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور وہاں کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

(۲).....فقراء کو تسبیح پڑھنے پر اللہ تعالیٰ وہ اجر عطا فرمائیں گے جو مالدار انسانوں کو مال کے خرچ کرنے پر بھی نہیں مل سکتا۔

(۳).....اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت میں فقراء کو اتنے بلند درجے عطا فرمائیں گے کہ مالدار لوگ جنت میں ان فقراء کے محلات کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح دنیا میں آسمان کے ستاروں کو دیکھا کرتے ہیں.....سبحان اللہ.....اللہ تعالیٰ یوں فقراء کو امتیازی شان عطا فرمائیں گے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ فقراء سے دوستی رکھا کرو، اس لئے کہ قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا کہ تم سے جن لوگوں نے دوستی کی یا تم نے جن لوگوں سے محبّت کی، تم خود بھی جنت میں داخل ہو جاؤ اور ان کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک فقیر کو فرمائیں گے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ لیکن وہ کھڑا رہے گا۔فرشتے اس سے پوچھیں گے کہ آپ کو تو اجازت مل گئی ہے پھر آپ کیوں کھڑے ہیں؟ وہ کہے گا کہ مجھے شرم آرہی ہے کہ میں تو جنت میں چلا جاؤں اور جن لوگوں نے مجھے کھلایا اور پلایا وہ ابھی پیچھے ہیں۔اللہ رب العزت اس کی اس بات کو پسند

فرما کر حکم دیں گے کہ جتنے لوگوں کو تم سے محبّت کا تعلّق تھا تم ان سب کو لے کر جنت میں چلے جاؤ۔ سبحان اللّٰہ۔

حوصلہ افزائی ہو تو ایسی:

ابوسلیمانی دارانی رحمۃ اللّٰہ علیہ ایک بہت بڑے بزرگ تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی بندہ غربت اور وسائل کی کمی کی وجہ سے اپنی کوئی تمنا پوری نہیں کرسکتا اور اس کی وجہ سے وہ ٹھنڈی سانس لے لیتا ہے تو اس کا یہ ٹھنڈی سانس لینا غنی آدمی کی سو سالہ عبادت سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے.....اس کے علاوہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ افضل العبادة انتظار مصائب کے اندر رحمتِ الٰہی کا انتظار کرنا عبادتوں میں سے سب سے افضل عبادت ہے۔

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ حضرت! بڑی دعائیں مانگتے ہیں لیکن حالات ہی نہیں بدلتے، اتنی مدت سے پریشان ہیں، یہ پریشانیاں ہی جان نہیں چھوڑتیں.....وہ حضرات ذرا اس حدیث کو تو سنیں کہ جو آدمی مصائب کے اندر گرفتار ہو جائے اور دعائیں مانگتا ہو کہ اے اللّٰہ! ان مصیبتوں کو ختم کردے تو اس انتظار پر اس کو وہ اجر ملتا ہے جو عبادت کرنے والوں کو عبادت کرنے پر بھی نہیں ملتا۔ اگر حالات دنیا کے اعتبار سے اچھے نہ ہوں تو صبر کے ساتھ وقت گزاریں اور اپنے رب کی رضا پر راضی رہیں۔

اہلِ دل کسے کہتے ہیں؟

ایک علمی نکتہ سنئے.....آپ نے دیکھا ہوگا کہ مکھی کے پر ہوتے ہیں مگر اس کو پروانہ نہیں کہتے۔ اس لئے کہ اس کا مطلوب نجاست ہے۔ چونکہ نجاست اس کا مطلوب ہے اس لئے پر ہونے کے باوجود اسے پروانہ نہیں کہتے۔ اسی طرح دنیا دار بندہ دل تو رکھتا ہے لیکن چونکہ اس کا مطلوب دنیا ہوتی ہے اسی لئے

اس کو اہل دل نہیں کہتے ۔ اہل دل ان کو کہتے ہیں جن کے دل اللہ رب العزت کی محبّت سے لبریز ہوتے ہیں۔

ایک عبرت آموز واقعہ:

یادرکھیں کہ کسی غریب یا گنہگار کو کم نظر سے نہ دیکھا کریں کیونکہ کیا پتہ کہ وہ غریب آدمی اللہ کی نظر میں اس امیر آدمی کی نسبت بہت زیادہ پسندیدہ ہو اور کیا پتہ کہ وہ گنہگار آدمی ایسی توبہ کرلے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرمادے۔

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰؑ کہیں جارہے تھے ۔ راستے میں آپ نے ایک گنہگار آدمی کو دیکھا ۔ وہ اپنے گناہوں پر بہت ہی نادم اور شرمندہ ہورہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہاری خواہش کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے بڑے بڑے گناہ کیے ہیں، میری تو بس یہی خواہش ہے کہ کہ میرا مالک مجھے معاف فرمادے۔ پھر تھوڑا سا آگے جاکر آپ نے ایک عبادت گزار آدمی کو دیکھا۔ آپ نے اس سے بھی پوچھا کہ تمہاری خواہش کیا ہے؟ اس نے اس گنہگار آدمی کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا حشر اس کے ساتھ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ پ روحی نازل فرمادی کہ اے میرے پیارے روح اللہ! آپ ان دونوں سے کہہ دیں کہ میں نے ان دونوں کی دعاؤں کو قبول کرلیا ہے۔ جو گنہگار مجھ سے رحم طلب کررہا تھا میں نے اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل کر اس پر جنت واجب کردی ہے اور عبادت گزار نے یہ دعا مانگی تھی کہ مجھے اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرنا، اب چونکہ وہ گنہگار جنت میں پہنچ چکا ہے اسلئے اب میں اس عبادت گزار کو جنت کی بجائے جہنّم میں داخل کروں گا .....اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ نہ تو ہم اپنی عبادت پر ناز کریں اور نہ ہی کسی گنہگار کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔

غریبوں کی آہ سے ڈرو:

امیروں سے نہ ڈرو بلکہ غریبوں کی آہ سے ڈرو۔اس لئے کہ اگر امیر بھاگے گا تو وہ حاکم کے دروازے پر جائے گا اور اگر غریب نے آہ بھر لی تو وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے کو کھٹکھٹائے گا۔

ایک مرتبہ سردارانِ قریش، نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں تھے۔اللہ کے محبوب ﷺ کی چاہت تھی کہ اگر یہ لوگ دین میں آجائیں تو انکی وجہ سے بہت سارے لوگ دین میں آجائیں گے۔چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو نصیحت فرمانا شروع کردی۔جب آپ ﷺ انکو نصیحت فرمارہے تھے تو اس وقت ایک نابینا صحابی چلتے ہوئے آئے اور محبوب ﷺ کی خدمت میں طلب گار ہوئے کہ مجھے بھی نصیحت کی جائے۔اس وقت نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دل میں یہ بات آئی کہ یہ تو اپنا ہے، اس کو تو بعد میں بھی نصیحت کر سکتے ہیں اور یہ قریش مکہ اس وقت آئے بیٹھے ہیں اس لئے اس وقت میں کسی اور سے بات نہیں کرتا۔لہٰذا جب نابینا صحابی نے اپنی بات بڑھانے کی کوشش کی تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دل میں کچھ رنجش سی پیدا ہوگئی اور آپ کے چہرہ انور پر غصے کے آثار ظاہر ہوگئے کہ یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہا۔محبوب ﷺ کے مبارک چہرے پر جو غصے کے تھوڑے سے آثار ظاہر ہوئے ان کے بارے میں اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں آیات اتار دیں اور اپنے محبوب ﷺ سے محبوبانہ خطاب فرمایا کہ

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤىۙ○اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰىؕ○ وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤىۙ ○ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰىؕ○ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰىۙ ○ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰىؕ○ وَ مَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰىؕ○ وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰىۙ ○ وَ هُوَ یَخْشٰىۙ ○ (عبس:9-1)

تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس بات سے کہ آیا اس کے پاس اندھا۔اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنورتا یا

سوچتا تو کام آتا اس کا سمجھانا۔ وہ جو پروانہیں کرتا، سوتو اسکی فکر میں ہے اور تجھ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ درست نہیں ہوتا۔ اور وہ جو آیا تیرے پاس دوڑتا ہوا اور وہ ڈرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس نابینا صحابی کی دو صفات خاص طور پر گنوائیں۔

(۱).....وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى (عبس:8)

اور وہ تیز تیز چل کر محفل میں آیا۔

(۲).....اور دوسری خاص صفت یہ کہ

وَ هُوَ يَخْشٰى (عبس:9) اور اس کے دل کے اندر خشیت بھی تھی۔

معلوم ہوا کہ سچی طلب کی نشانی یہ ہے کہ آدمی نیک محفلوں میں جائے تو ایک تو وہاں پہنچنے میں جلدی کرے اور تیز تیز چل کر جائے اور دوسرا یہ کہ دل میں خشیتِ الٰہی بھی ہو۔ ایسے بندے کی اللہ رب العزت کے ہاں بڑی قدر ہوتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس نابینا صحابی رضی اللہ عنہ کو ایسی عزت عطا فرمائی کہ روایت میں آیا ہے کہ اس کے بعد جب بھی وہ صحابی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھا دیا کرتے تھے.....جی ہاں! وہ سچی طلب لے کر آئے تھے، اس لئے اللہ رب العزت کے ہاں ان کا جو مقام تھا اس مقام کا کوئی عشر عشیر حصہ بھی ان سردارانِ قریش کے لئے نہیں تھا۔

عزت کا پیمانہ:

اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کا پیمانہ یہ ہے کہ دل میں خشیت ہو، طلب ہو اور اللہ کی محبّت ہو۔ اگر اس کی ظاہری حالت غریبوں والی بھی ہو تو اس سے اللہ کے ہاں انسان کے مرتبے میں کوئی فرق نہیں پڑتا

.....آج پیمانے بدل گئے ہیں.....جن کے پاس مال ہوتا ہے ان کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ جی یہ بڑے لوگ ہیں۔ان کی بڑی بڑی کوٹھیاں ہوتی ہوں تو کہتے ہیں کہ یہاں بڑے لوگ رہتے ہیں۔ان کے دلوں میں دنیا کی بڑائی ہوتی ہے۔دنیا والے ان کو بڑے لوگ کہتے ہیں۔یاد رکھیں کہ وہ بڑے لوگ نہیں ہوتے بلکہ وہ بڑے بوجھ والے لوگ ہوتے ہیں،ان بے چاروں کو تو پتہ ہی نہیں کہ حساب کتاب دینے میں کتنا وقت لگے گا۔جس بندے نے مالدار بندے کی عزت کی،اس کے مال کی وجہ سے اس کا تیسرا حصہ ایمان ضائع ہو گیا۔اس لئے ہماری نظر میں شریعت اور نیک اعمال کی عزت ہو اور ان لوگوں کی عزت ہو جن کے دل میں اللہ رب العزت کی محبّت ہو۔

ایک اہم نکتہ:

ایک نکتے کی بات ذرا سن لیجئے.....جتنے اعمال ہم لوگ کرتے ہیں وہ بخشوانے کے لئے کم نہیں ہیں، اخلاص کی کمی ان کو کم بنا دیتی ہے۔اگر اخلاص کم نہ ہو تو ذکر فکر کرنے والے جتنے اعمال کر رہے ہیں یہ بخشوانے کے لئے کافی ہیں مگر چونکہ اخلاص نہیں ہوتا اور ریا کاری آجاتی ہے اس لئے بڑے اعمال ہونے کے باوجود ہم ان سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص کی قدر ہے۔مخلص بندہ اگر دو رکعت پڑھے گا تو اسے اتنا اجر ملے گا کہ غافل بندے کو ہزاروں رکعتیں پڑھنے پر بھی وہ اجر نہیں ملے گا۔اس لئے حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ متقی آدمی کی دو رکعت پر اللہ تعالیٰ اسے اتنا اجر دے دیتے ہیں جو غیر متقی آدمی کو ہزار رکعتوں پر بھی نہیں دیتے۔

ریا کاری کے باعث اجر سے محرومی:

ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کی۔رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک قرآن مجید ہے جس کے اوپر سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔انہوں نے خواب میں بھی سورۃ طٰہٰ

پڑھی۔ وہ بڑے خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے نامہء اعمال میں سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کا اجر لکھ دیا گیا ہے۔ جب شوق شوق سے دیکھ رہے تھے تو ایک صفحہ پر دیکھا کہ درمیان میں سے کچھ آیتوں کی جگہ خالی ہے۔ وہ خواب میں ہی بڑے حیران ہوئے کہ یہ جگہ خالی کیوں ہے۔ سوچتے رہے، سوچتے رہے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور خواب میں ہی یہ خیال آیا کہ ہاں جب میں تلاوت کر رہا تھا تو اس وقت ان آیات کی تلاوت کرتے وقت ایک واقف بندہ میرے قریب سے گزرا تھا اور میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ یہ بندہ میری تلاوت سن کر خوش ہوگا۔ بس دل میں اتنے سے خیال کے پیدا ہونے پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کی تلاوت کے اجر سے محروم فرما دیا کہ دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا کہ یہ بندہ تلاوت سن کر خوش ہوگا۔

وزنِ اعمال اور سائنسی نقطہ نظر:

امام بخاریؒ صحیح بخاری میں آخری حدیث یہ لے آئے:

كلمتان حبيبتان الى الرحمن خفيفتان على اللسان ثقيلتان فى الميزان

سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم

دو کلمے اللہ تعالیٰ کو بڑے پسند ہیں، زبان پر (پڑھنے میں) بڑے ہلکے ہیں لیکن وزن میں بہت بھاری ہیں وہ ہیں **سبحان الله و بحمده سبحان الله العظيم**

اس حدیث پاک میں وزنِ اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ختم بخاری شریف کی محفلوں میں درس حدیث دینے والے اکثر علماء وزنِ اعمال پر خوب تفصیل سے بات کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اعمال کو تولا جائے گا۔

پہلے دور میں لوگ اشکال پیش کیا کرتے تھے کہ اعمال کو کیسے تولا جائے گا۔اس وقت کے علماء نے ان کو سمجھایا کہ ہاں جب اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمادیا ہے تو اعمال کو ضرور تولا جائے گا۔

آج سائنس کی دنیا ہے۔کئی باتیں سائنس کی وجہ سے سمجھنے میں آسانی پیدا ہوگئی ہے۔آج کے دور میں تو ہر چیز کی پیائش کے پیمانے بن گئے ہیں۔مثلاً.....

.....تھرمامیٹر کے ذریعے گرمی اور سردی کو بھی تولا جاسکتا ہے،

.....بیرومیٹر کے ذریعے ہوا کا دباؤ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے،

.....یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ ہوا میں نمی کتنی ہے۔

اسی طرح اگر سائنسی نقطہءنظر سے سوچا جائے تو یہ بات اور زیادہ آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اعمال کو تولا جاسکتا ہے۔

سائنسی نقطہءنظر سے وزن کے فارمولا میں ایک کمیت ہوتی ہے اور ایک کششِ ثقل ہوتی ہے۔فارمولا لکھتے ہوئے کمیت کو m لکھتے ہیں اور کششِ ثقل کو g لکھتے ہیں.....m اور g کو ضرب دیتے ہیں تو کسی بھی چیز کا وزن نکل آتا ہے.....چنانچہ اگر ایک آدمی زمین پر ہے تو اس کا وزن زمین کی کششِ ثقل کے مطابق ہوگا۔وہی آدمی اگر چاند پر چلا جائے تو چونکہ اس کی کششِ ثقل وہاں کم ہوگی اس لئے اسی بندے کا وزن وہاں جاکر کم ہوجائے گا اور اگر وہی بندہ مریخ پر چلا جائے تو چونکہ وہاں کششِ ثقل بہت زیادہ ہے اس لئے وہاں اسی بندے کا وزن کئی گنا بڑھ جائے گا.....بندہ وہی ہے مگر کشش بڑھنے سے وزن بڑھ جاتا ہے اور کشش کے گھٹنے سے وزن گھٹ جاتا ہے۔.....حتیٰ کہ اگر وہی بندہ خلا میں چلا جائے جہاں کشش ہے ہی نہیں تو کمیت ہونے کے باوجود وہاں اس بندے کا وزن نہیں رہے گا۔چنانچہ جو لوگ خلا میں جاتے ہیں وہ روئی کے گالوں کی طرح اڑ رہے ہوتے ہیں کیونکہ جسم کی کمیت ہونے کے باوجود وہاں

کشش نہ ہونے کی وجہ سے بے وزن بن جاتے ہیں۔

آج سائنس نے اس بات کو کھول کر رکھ دیا ہے کہ قیامت کے دن جس بندے کے اندر ایمان کی کشش ہوگی اس کے اعمال وزن والے ہوں گے اور جس بندے کے اندر ایمان کی کشش نہیں ہوگی، اگر اس نے پہاڑوں کے برابر بھی خیر کے اعمال کئے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے عملوں کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ اسی لئے قیامت کے دن کافروں کے عملوں کا کوئی وزن ہی نہیں ہوگا۔ یہ نہیں فرمایا کہ قیامت کے دن ان کافروں کے عملوں کو پیش ہی نہیں کریں گے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (کھف:105) قیامت کے دن ہم ان (کافروں کے) عملوں کا وزن ہی قائم نہیں کریں گے۔

انکے اعمال قیامت کے دن پیش تو کئے جائیں گے کیونکہ انہوں نے کسی کی ہمدردی کی ہوگی..... کسی غریب کی مدد کی ہوگی .....کوئی ہاسپٹل بنوایا ہوگا .....لیکن ان کے اچھے کاموں کا وزن ہی نہیں ہوگا کیونکہ ان کے اچھے کاموں کے اندر ایمان کی کشش نہیں ہوگی۔ جب ان کے عملوں کی g زیرو ہے تو پھر اگر کمیت ساری دنیا سے بھی زیادہ ہو جائے تو وزن پھر بھی زیرو ہی آئے گا۔

معلوم ہوا کہ ایمان اور اخلاص Gravitational force کی مانند ہیں۔ ہم ان کو جتنا زیادہ بڑھاتے جائیں گے اسی قدر ہم زیادہ اجر پائیں گے اور جس قدر ایمان اور اخلاص میں کمی آتی جائے گی اسی قدر اجر میں بھی کمی ہوتی جائے گی۔

ہدایات برائے سالکین:

ہمارے اس اجتماع کا بنیادی مقصد اپنی زندگی میں اخلاص کو بڑھانا ہے۔ آپ میں سے ہر بندہ اس بات

پر غور کرے کہ کیا میرا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو رہا ہے یا دنیا کی واہ واہ کے لئے ہو رہا ہے۔ یہ ایک غم ہے جو آپ اپنے دلوں میں لے کر یہاں تشریف لائے ہیں۔

☆.....اس قیام کے دوران آپ دنیا کے تذکروں سے پرہیز کیجئے۔ اسی لئے تو دنیا کے Topic کو اتنا کھول کر بیان کیا ہے۔ یہ دنیا اللہ رب العزت کو اتنی ناپسند ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا:

اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ دنیا ملعونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب سے اس دنیا کو پیدا کیا ہے آج تک اس کو خوشی کی نظر سے نہیں دیکھا۔

☆.....شیطان کوشش کرے گا کہ آپ جس کمرے میں مل کر بیٹھے ہیں وہاں گپیں لگانا شروع کر دیں۔ اس لئے ادھر ادھر کی باتوں سے مکمّل پرہیز کیجئے۔

☆.....ان دنوں میں اپنے دلوں کو اللہ کی طرف متوجہ رکھئے۔ وقوفِ قلبی اور رابطہ قلبی کے ساتھ اپنا وقت گزارئیے۔ جیسے معتکف آدمی اعتکاف میں بیٹھ کر سمجھتا ہے کہ میں نے یہ وقت اللہ کے لئے وقف کر دیا ہے اسی طرح آپ بھی یہی سمجھیں کہ آپ نے یہ چند دن اللہ کے لئے وقف کر دیئے ہیں۔ لہٰذا جب آپ مسجد میں ہوں تب بھی اللہ کی طرف توجہ رکھئے اور جب دارالعلوم میں کھانا کھانے کے لئے تشریف لے جائیں تب بھی اللہ کی طرف توجہ رکھئے۔ جب آپ یوں اللہ کے دھیان میں اپنا وقت گزاریں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ میرے اندر سے دنیا کی طلب گھٹ گئی ہے اور اللہ رب العزت کی طلب بڑھ گئی ہے۔

چنے ہوئے لوگوں کا مجمع:

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں ایک بار پھر اس محفل کی دعاؤں میں شمولیت کا موقع مل گیا ہے۔ بھئی!

اگر چہ ہم گناہ گار ہیں اور ہماری دعائیں قبول ہونے کے قابل نہیں ہیں تو اس محفل میں اخلاص والے نیک لوگ بھی آئے ہوئے ہیں، کیا پتہ کہ ان نیکوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں بھی قبول فرما لیں۔

☆ اس مجمع میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو روزانہ پانچ ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں۔

☆ ایسے لوگ بھی ہیں جو روزانہ سات ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہیں۔

☆ ایسے بھی ہیں جو روزانہ دس ہزار بار لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے ہیں۔

☆ ایسے بھی ہیں جو روزانہ ایک پارہ پڑھتے ہیں۔

☆ ایسے بھی ہیں جو روزانہ ایک منزل پڑھتے ہیں۔

☆ ایسے بھی ہیں جو روزانہ پندرہ پارے پڑھتے ہیں۔

☆ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا معمول ایک قرآن پاک روزانہ پڑھنے کا ہے

☆ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو خواب میں ایک بار نہیں، دو بار نہیں بلکہ درجنوں مرتبہ نبی علیہ السّلام کی زیارت نصیب ہو چکی ہے۔

☆ ہمارے ایک دوست ایسے بھی ہیں جنہوں نے بتایا کہ میری زندگی کا کوئی ہفتہ بھی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دیدار کے بغیر نہیں گزرتا۔

☆ ایک دوست ایسے بھی ہیں جنہوں نے بتایا کہ گزشتہ گیارہ سالوں سے میری ایک دن کی بھی تہجّد کی نماز قضاء نہیں ہوئی۔

یہ باتیں یا وہ جانتے ہیں یا ان کا شیخ جانتا ہے۔ الحمدللہ، یہ چنے ہوئے لوگوں کا مجمع ہے۔ یہ باتیں عام طور پر نہیں کی جاتیں لیکن آپ دوستوں کی ترغیب کے لئے کی ہیں تا کہ آپ کے دل میں یہ احساس پیدا

ہو کہ ہم کس مجمع کے اندر وقت گزار رہے ہیں۔لہٰذا اس وقت کو قیمتی بنائیں۔اگر آپ کو معمولات میں کمی کا شکوہ ہے تو اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں کہ اللہ تعالیٰ ان میں استقامت عطا فرمائیں اور اگر آپ اپنے آپ کو اپنے نفس کے سامنے عاجز محسوس کرتے ہیں تو تہجّد کے وقت اٹھ کر اپنے رب کے سامنے اپنی فریاد پیش کریں۔

آیئے عہد کریں:

اجتماع کے یہ دن ایک سال کے بعد آتے ہیں جس کی قسمت میں ہوں، یہ تجدید عہد کا موقع ہوتا ہے۔ آج ہم یہ عہد کریں کہ ہم اپنی زندگی میں دینداری اختیار کریں گے اور ہر کام شریعت وسنت کے مطابق کریں گے۔تاکہ ہمیں دنیا میں بھی عزتیں ملیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں بھی سرخرو ہو سکیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے یہاں اکٹھّے ہونے کو قبول فرمالے اور اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ہم سب کی بخشش فرمادے۔ہم عاجز مسکینوں کے ٹوٹے پھوٹے نیک عملوں کو قبول فرمالے اور ہمیں اپنی حقیقت سے آگاہ کردے۔(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ